© rasailojaraid.com

الانسان فی القرآن

سعید احمد اکبرآبادی

یہ مقالہ اسلام پر تین ہفت روزہ سیمینار میں پڑھا گیا جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ۱۴۔۱۵ اور ۱۶ رمارچ ۱۹۶۹ء کو منعقد ہوا۔

اس عالم آب وگل میں انسان کی حیثیت بڑی عجیب وغریب ہے۔ ایک طرف قدرت نے اس میں وہ قوتیں اور صلاحیتیں رکھی ہیں جن سے کام لے کر وہ مخلوقات ارضی پر حکمرانی کرتا ہے اجرام علویہ سے اپنی خدمت اور نفع رسانی کا کام لیتا ہے۔ ہوا میں اڑتا اور فضا میں تیرتا ہے۔ اب تک اسکا مسکن زمین تھی لیکن اب عالم بالا میں شہہ نشینی کی جدوجہد بھی کر رہا ہے۔ اس کے برعکس وہ دوسری جانب دکھوں، بیماریوں ارضی وسماوی آفات وبلیات کے نرغے میں گھرا ہوا ہے۔ جہاں قدم قدم پر اپنی طاقت وقوت، دولت وثروت علم وہنر اور قوت ایجاد واختراع کے باوجود اسے اپنی کمزوری بےکسی اور ہیچ میرزی کا احساس ہوتا ہے اور وہ بڑی حسرت کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے:

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

پھر انسان کی فطرت میں ایک جذبۂ نیازمندی وپرستش اور عاطفۂ محبت وعشق بھی ہے۔ وہ اس جہاں میں حسن وجمال، رنگ وبو، دبدبہ وشوکت اور سطوت وعظمت دیکھتا ہے تو طبعی طور پر وہ ان صفات کے مظاہر کی طرف مائل اور متوجہ ہو کر ان سے ہم آہنگی یا وابستگی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جلد یا بدیر اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نے جن چیزوں سے دل لگایا اور جن کو اپنے لئے سرمایۂ راحت وتسکین یا ذریعۂ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نجات وسلامتی سمجھا تھا وہ بھی اس کی ہی طرح ناقص، حادث، ناپائیدار اور تغیر پذیر تھیں۔ یہ صورت حال انسان کے لئے سخت اضطراب و کشمکش کا باعث ہوتی ہے اور جب وہ اس سے نکلنا چاہتا ہے تو قدرتی طور پر سب سے پہلا سوال اس کے دماغ میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں کون ہوں؟ اور کیا ہوں؟ اور میری غرض تخلیق کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ سب سے اہم، مقدم اور بنیادی سوال یہی ہے اور جب تک انسان کو اس کا صحیح جواب نہیں مل جاتا میدان زیست میں اس کی کوئی جدوجہد، اس کی فکری تگ ودو اور اس کی عملی سعی وکوشش۔ ان میں سے کوئی چیز بھی اس کو اطمینان وسکون اور یکسوئی ودلجمعی نہیں دے سکتی۔ اب تمام مذاہب اور فلسفوں کا مطالعہ کر جائیے تو آپ دیکھیں گے کہ ان دو بنیادی سوالات کا جتنا واضح اور مکمل جواب قرآن نے دیا ہے کسی نے نہیں دیا۔۔۔۔ تخلیق آدم کا ذکر انجیل میں بھی ہے۔ لیکن بس اس قدر:-

> "خداوند خدا نے زمین پر پانی نہ برسایا تھا اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخار اٹھتا تھا کہ تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا۔ آدم جیتی جان پیدا ہوا۔" (پیدائش ۲: ۵-۷)

لیکن قرآن کو دیکھئے، وہ انسان کون ہے؟ وہ کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ اس میں کون کون سے اعلیٰ صفات اور کمالات ہیں؟ اور نقائص اور کمزوریاں بھی کسی قسم کی ہیں؟ اور وہ کس طرح ان نقائص اور کمزوریوں کو دور کر کے اپنی شخصیت کی تکمیل اور اس کے ذریعہ اپنے لئے بقائے دوام کا سروسامان کر سکتا ہے؟ ان میں سے ہر سوال کا واضح جواب دیتا ہے۔

ان سوالات میں جو ترتیب ہے اب ہم اسی کے مطابق ہر سوال کا جواب قرآن سے معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

انسان کون ہے؟ اس سوال کا جواب سورۂ بقرہ کے شروع کی یہ آیت ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

اور اس وقت جب کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔

اس آیت میں خلیفہ کا لفظ مطلق ہے یعنی کسی کی طرف مضاف نہیں ہے اس بنا پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کا نائب؟ عام طور پر مشہور یہی ہے کہ اس سے مراد خلیفۃ اللہ ہے چنانچہ صحابہ کرام میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے اور تابعین میں حضرت مجاہد سے مروی ہے لیکن اسی قول کو نقل کرنے کے ساتھ ہی علامہ ابن جوزی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس اور حسن بصری سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ: انہ یخلف من سلف فی الارض قبلہ: یعنی انسان اس مخلوق کا قائم مقام ہے جو اس کی پیدائش سے قبل زمین پر آباد تھی۔ علاوہ ازیں ابن خلدون نے (مقدمہ فصل ۲۶) میں جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر کو جب خلیفۃ اللہ کہہ کر پکارا گیا تو آپ نے فرمایا: میں اللہ کا خلیفہ نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہوں تو ساتھ ہی حضرت ابوبکر کے قول کی توجیہہ یہ بھی کی ہے کہ استخلاف تو غائب کے حق میں ہوتا ہے نہ کہ حاضر اور موجود کے حق میں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلدون کی رائے میں بھی انسان خلیفۃ اللہ نہیں ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں کہیں کسی جگہ خلیفہ کے لفظ کی اضافت اللہ کی طرف نہیں ہے اور غالباً کوئی صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں انسان کو خلیفۃ اللہ فرمایا گیا ہو۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ قرآن مجید میں خلیفہ کا لفظ اپنی جمع کے ساتھ متعدد مواقع پر استعمال ہوا ہے اور ان سب جگہ ایک قوم کے دوسری قوم کے جانشین ہونے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے، چنانچہ سورۂ الانعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ

اور وہ خدا وہ ہے جس نے تم کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا ہے اور تم میں سے بعض کا مرتبہ بعض سے اونچا کیا ہے تاکہ اس نے تم کو جو کچھ تم کو دیا ہے اسی میں وہ تم کو آزمائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس مضمون کو سورۂ النمل میں ربانی احسانات وانعامات کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح فرمایا گیا ہے ویجعلکم خلفاء الارض، اور وہ خدا تم کو زمین پر اگلوں کا نائب کرتا ہے۔

سورۂ الاعراف میں بعض ان قوموں کا نام بھی سے لیا گیا ہے جن کی جانشینی انکے بعد آنیوالے لوگوں کا حاصل ہوئی چنانچہ ارشاد ہوا:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء الارض من بعد قوم نوح۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو قوم نوح کے بعد ایک دوسرے کا جانشین بنایا۔

اس سے ذرا آگے چل کر فرمایا:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عادٍ وبوّأکم فی الارض: اور یاد کرو جب کہ خدا نے عاد کے بعد تم کو ان کا جانشین بنایا اور اسی نے تم کو زمین پر ٹھکانا دیا۔

ان آیات سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ آیت زیر بحث میں بھی خلیفہ سے مراد اس مخلوق کا جانشین ہونا ہے جو تخلیق آدم سے قبل زمین پر موجود تھی لیکن سورۂ البقرہ اور سورۂ الاعراف میں خصوصاً اور دوسری صورتوں میں عموماً تخلیق آدم کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اگر اسکو تمام ہما پیش نظر رکھا جائے اور اس کے اسلوب بیان اور اس کے اجزاء پر غور کیا جائے تو اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا کہ لفظ خلیفہ سے خلیفۃ اللہ مراد ہو یا نہ ہو لیکن اس سے اس مخلوق کا جانشین جو آدم سے پہلے زمین پر موجود تھی ہرگز مراد نہیں ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ کلام مجید میں خلائف اور خلفا کے الفاظ سابقہ قوموں کے جانشینوں کے معنی میں آئے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس معنی میں خلافت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی نعمت قرار دیا ہے اور اس پر بندوں سے شکر گذاری اطاعت خداوندی اور عدم فساد فی الارض کا مطالبہ بھی کیا ہے لیکن تخلیق آدم کے قصہ میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی شان ہی عجیب بالکل نرالی ہے۔ یہاں ہوتا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے اپنی مشیت کا اظہار کرتا ہے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوں۔ اب تک فرشتوں نے ارضی مخلوق کو جیسا ظالم۔ سفاک، اور بے رحم پایا تھا سمجھے کہ اب زمین پر جو ایک نئی مخلوق آدم کی صورت میں پیدا ہونے والی ہے وہ بھی ایسی ہی ظالم اور سفاک ہوگی اور خدا جس کو خلیفہ بنائے اسے ان کے خیال میں لازمی طور پر سبحہ گرداں و تقدس مآب ہونا چاہیے۔ اس بنا پر خدا سے اس کی مشیت کا علم ہوتے ہی ان کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی۔ اور وہ اپنے تعجب کا اظہار بہ شکل استفہام کر ہی بیٹھے کہ اسے خدا کیا تو اس مخلوق کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد انگیزی اور خونریزی کرے گی حالانکہ ہم تو تری حمد میں زمزمہ سنجی کرتے اور تری تقدیس بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ان دونوں میں سے کسی ایک بات کی نہ تردید کی اور تغلیط۔ بلکہ صرف یہ فرمایا انی اعلم ما لا تعلمون ۝ تم جن چیزوں کو نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرشتوں نے جو کچھ کہا وہ غلط نہیں تھا البتہ ان کا یہ سمجھنا غلط تھا کہ خلافت کے استحقاق کا دارومدار صرف تسبیح و تقدیس پر ہے۔ اس بنا پر جو چیز درحقیقت وجہ استحقاق خلافت تھی اب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس سے آگاہ کرنے کا ارادہ کیا تو پہلے ہونے والے خلیفہ یعنی آدم کو تمام حقائق اشیاء کا علم عطا فرمایا اور پھر عالم کائنات سے پردہ اٹھا کر فرشتوں سے اس کی حقیقت دریافت کی تا کہ ان کے استحقاق خلافت کے دعوے کا جھوٹ سچ ہونا ظاہر ہو جائے۔ فرشتوں کو ان حقائق اشیاء کا علم کہاں تھا؟ فوراً اپنی عاجزی و درماندگی کا اعتراف کر لیا۔ اس کے بعد آدم کو علم حقائق عطا ہو ہی چکا تھا اب اس سے پوچھا گیا تو اس نے تمام حقائق بیان کر دیئے اور اس طرح خدا نے فرشتوں کو بتا دیا کہ خلافت کا در اصل کیا راز ہے اور اس کی کیا اساس ہے؟ یہ تو تھی استحقاق خلافت اور اس کی اہلیت و صلاحیت کی بات۔ اب خدا نے یہ بتانا چاہا کہ جو مخلوق پروانۂ خلافت سے سرفراز کی گئی ہے اس کا مرتبہ و مقام کیا ہے؟ اس بنا پر فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ خلیفہ کو نذرانۂ عقیدت پیش کریں۔ انھوں نے بے چون و چرا اس کی تعمیل کی۔ یہ مطالبہ ابلیس سے بھی تھا۔ لیکن وہ اکڑ گیا اور تعمیل حکم سے سرتابی کر بیٹھا اس کی پاداش میں راندۂ درگاہ قرار پایا اور یہیں سے ایمان و کفر کی معرکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آرائی کے دور کا آغاز ہوا۔

اس کے بعد وہ مرحلہ آتا ہے جب کہ آدم سے لغزش ہو جاتی ہے اور اس سے ان کی پردہ دری ہوتی ہے۔ قرآن میں اس لغزش کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ فعصیٰ آدم ربہ فغوی۔ یعنی آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور وہ راہ سے بے راہ ہو گیا اس کی ان کو یہ سزا ملی کہ جنت سے نکلنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ جب آدم کو زمین میں کارِ خلافت انجام دینا تھا تو بہر حال انہیں زمین میں آنا تھا ہی پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ ایک نافرمانی کی پاداش میں انہیں جنت سے زمین میں آنا پڑا۔؟ اصل یہ ہے کہ آدم کی نافرمانی کا واقعہ کوئی الگ اور منفرد واقعہ نہیں ہے بلکہ ماقبل سے مربوط اور استحقاقِ خلافت کا ہی تتمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بتانا تھا کہ کارِ خلافت وہی مخلوق انجام دے سکتی ہے جس میں خیر و شر۔ نیکی اور بدی اور طاعت و معصیت دونوں کی صلاحیت ہو۔ جو نرم بھی ہو سکتا ہو اور گرم بھی۔ جو سیدھے راستے پر چل سکتا ہو اور بہک بھی سکتا ہو اور یہ تنوع آدم میں ہی پایا جاتا ہے۔ نہ کہ فرشتوں میں جو اپنی فطرت کے اعتبار سے ارتکاب معصیت کر ہی نہیں سکتے جس طرح دلبری وہی معتبر ہے ..... جس میں قہاری بھی ہو اسی طرح وہی طاعت وقیع تر ہے جو معصیت کوشی کی صلاحیت کے ساتھ ہو پھر آدم کے لئے جس کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ کسب خیر و شر کی یہ صلاحیت اس لئے بھی ضروری تھی کہ ابلیس کی نافرمانی اور راندہ درگاہ ہونے کے بعد اس کے چیلنج لاغوینھم اجمعین نے زمین پر نزاع خیر و شر اور آویزش طاعت و معصیت کا ایک مستقل ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ اور اس سے وہی مخلوق عہدہ برآ ہو سکتی تھی جس میں قوت شہوی بھی ہو اور قوت غضبی بھی۔ اور ان قوتوں میں افراط و تفریط بھی ہو سکتی ہو اور اعتدال بھی۔ افراط تفریط سے رذائل اخلاق پیدا ہوتے ہوں اور اعتدال سے فضائل اخلاق! ظاہر ہے یہ صفات آدم میں ہی پائے جاتے ہیں اس بنا پر جنت میں آدم کی لغزش درحقیقت اس بات کا ایک اور ثبوت تھا کہ خلافت کا استحقاق صرف آدم کو ہے فرشتوں کو نہیں اور اسی حقیقت کو مرتسم کرنے کی غرض سے قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تخلیق آدم کے قصہ کے ساتھ اس واقعہ کو بھی بیان کیا گیا ہے اور یہ سب اجزا ایک ہی سلسلہ کی مختلف کڑیاں ہیں۔

بہرحال تخلیق آدم کا واقعہ جس اہتمام سے بیان کیا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا مکالمہ، اللہ تعالیٰ کا آدم کو تمام حقائق اشیا کا علم فرما دینا اور پھر فرشتوں کا ان حقائق کے بیان کردینے سے عاجز رہ جانا اور آدم کا اس میں کامیاب ہونا اس کے بعد آدم کا مسجود ملائکہ بننا اور ابلیس کا سرتابی کرنا اور آخر میں آدم کا ہبوط الی الارض ۔ یہ سب چیزیں مجموعی طور پر اسی بات کا ناقابل تردید ثبوت ہیں کہ واذ قال ربک للملائکۃ انی جاعلٌ فی الارض خلیفۃ میں خلیفہ سے مراد زمین کی پیشرو مخلوق کا جانشین ہونا نہیں ہے۔ اور جب یہ معنی مراد نہیں ہیں، تو پھر کیا مراد ہیں اس کا جواب بجز اس کے کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ اس سے مراد اللہ کا نائب ہونا ہے۔ نائب جیسا کہ ابن خلدون نے کہا ہے۔ صرف غائب کا نہیں ہوتا بلکہ حاضر کا بھی ہوتا ہے اور خدا کے نائب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آدم کو خدا کی طرف سے کچھ فرائض سونپے گئے ہیں اور ان فرائض کا ادا کرنا ہی اس کی تخلیق کا مقصد اور غرض و غائت ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کے سلسلہ میں جگہ جگہ اس حقیقت کو بیان کیا ہے: ایک جگہ کہتے ہیں:

"ہر رائے جہاں را تو یساری تو یمینی"

اردو میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

اس میں شک نہیں کہ قرآن میں کہیں خلیفۃ اللہ مذکور نہیں ہے لیکن بعض مقامات پر ایسے اشارات ضرور ہیں جن سے انسان کی نیابت الٰہی پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً سورۂ النور میں اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنی طرف منسوب کیا ہے:

وآتوھم من مال اللہ الذی   اور تم ان (غلاموں) کو اللہ کے اس مال میں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتاکم۔ رکوع ۴ وہ جو اس نے تم کو دیا ہے۔

اور سورۂ الحدید میں فرمایا گیا

آمنوا باللّٰہ ورسولہٖ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔ رکوع ۱ — اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں خدا نے تم کو نائب بنایا ہے۔

دونوں آیتوں کو ایک ساتھ پڑھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ مال دراصل اللہ کا ہی تھا لیکن اس نے انسانوں کو اس میں نائب بنا دیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں ان اللہ معنا اللہ ہمارے ساتھ ہے ید اللہ فوق ایدیھم، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے یہ ارشاد ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ" اور آپ نے کنکریاں نہیں پھینکی تھیں، جب کہ آپ نے پھینکی تھیں۔ بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ یہ اور اسی طرح کی بعض اور آیات مثلاً ونحن اقرب الیکم من حبل الورید۔ اور ہم شہ رگ گردن سے بھی زیادہ تم سے قریب ہیں" قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا" فاذکرونی اذکرکم تم مجھکو یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ یہ سب بطور اقتضاء النص انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہیں"

بحیثیت خلیفہ انسان کے فرائض اس خلیفہ کے فرائض و واجبات کیا ہیں؟ قرآن کی رو سے وہ دو ہیں۔

(۱) بندہ بنے رہنا اور بندوں کی طرح زندگی بسر کرنا۔

(۲) کار جہاں اور تعمیر گیتی کے کاموں کا انجام دینا۔

نمبر ایک کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے ماتحت اسی طرح رہنا ہے جس طرح غلام آقا اور محکوم حاکم کے احکام کے ماتحت رہتا ہے اور نمبر ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ مراد ہے کہ خدا نے اسے وعلّم آدم الاسماء کلہا کے ارشاد کے مطابق جو علم کائنات عطا فرمایا ہے۔ اس سے کام لے کر زندگی میں حسنِ ترتیب و تنظیم اور زیبائش و آرائش پیدا کرنی چاہیئے۔ اب قرآن مجید کا مطالعہ کیجیئے تو نظر آئے گا کہ بس یہی دو چیزیں ہیں جن کے متعلق احکام و تمثیلات سے قرآن بھرا ہوا ہے حضرت داؤد کو جب خلیفہ بنایا گیا تو ارشاد ہوا:

یٰداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارضِ فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللّٰہ۔

اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے اس لئے تو لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر ورنہ یہ پیروی اللہ کے راستے سے منحرف کر دے گی۔

اسی آیت میں خلیفہ بصیغہ واحد اور بغیر اضافت کے ہے اور پھر حضرت داؤد پیغمبر ہونے کے باعث اللہ کی طرف سے تبلیغ و تنفیذ احکام الٰہیہ کیلئے مامور بھی تھے۔ اس بنا پر یہاں خلیفہ سے مراد یقیناً خلیفۃ اللہ ہے۔

لیکن جہاں خلیفہ سے مراد خلیفۃ اللہ نہیں ہے وہاں بھی خلیفہ کے فرائض وہی بتائے گئے جو خلیفۃ اللہ کے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی اصطلاح اور اس کی زبان میں یہ بحث بیکار ہے کہ یہ شخص یا یہ قوم اللہ کی خلیفہ ہے یا اپنے سے پیش رو شخص یا قوم کی خلیفہ ہے۔ بہرحال نفس خلافت کا مقتضا یہ ہے کہ خلیفہ اطاعت خداوندی کرے۔ زمین میں امن و امان قائم کرے فتنہ فساد کا خاتمہ کرے اور زندگی کو سنوارنے بنانے اور اسے تکمیل و ترقی کی منزل تک پہنچانے کا کام انجام دے۔ چنانچہ آیات ذیل ملاحظہ فرمایئے:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح وزادکم فی الخلق بصطۃ فاذکروا

اور خدا کا وہ احسان یاد کرو جب کہ اس نے تم کو قوم نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آلاء اللہ لعلکم تفلحون ۵ الاعراف رکوع ۔

تن و توش کا پھیلاؤ بھی تم کو اوروں سے زیادہ دیا تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ ۔

پھر چند آیات کے بعد ہی فرمایا گیا:

واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد و بوّاکم فی الارض تتخذون من سہولها قصورًا وتنحتون الجبال بیوتًا فاذکروا آلاء اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین ۵ (الاعراف)

اور خدا کا وہ احسان یاد کرو جب کہ اس نے تم کو قوم عاد کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تم کو روئے زمین پر اس طرح بسایا کہ تم میدان میں تو محل کھڑے کرتے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو تو اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو۔

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آدم کسی شخص واحد کا نام ہو جیسا کہ جمہور علما اور مفسرین کا خیال ہے اور قرآن سے بھی بہ ظاہر اس کی ہی تائید ہوتی ہے یا اس سے مراد نوع انسان ہو جیسا کہ بعض حضرات کی رائے ہے۔ بہرحال خلافت آدم سے مراد خلافت نوعی ہے نہ کہ فردی اور شخصی کیونکہ تخلیق آدم کے وقت ملاءِ اعلیٰ میں جو ہنگامہ برپا ہوا وہ اس وقت ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جب کہ معاملہ صرف کسی ایک شخص کا ہوتا اور وہ اس عالم آب و گل میں آنے کے بعد حیات مستعار کے چند برس گزارنے کے بعد یہاں سے واپس چلا جاتا۔ اس بنا پر اگرچہ ذکر شخص واحد کا ہے لیکن اس کی تخلیق کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا اس کا تعلق اسی نوع سے ہے جس کی نمائندگی یہ شخص کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک اور آیت میں اس خلافت کو امانت کہا گیا اور اس کی نسبت انسان کی طرف کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

انا عرضنا الامانة علی السمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یحملنها

ہم نے امانت آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کی تو ان سب نے اس کے اٹھانے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوماً جہولاً۔

انکار کر دیا اور ان کو اس سے خوف معلوم ہوا۔ اور انسان نے اس امانت کو اٹھا لیا۔ بیشک انسان بڑا ظالم اور جاہل تھا۔

بہرحال انسان اب خلیفہ تھا اور نیابت خداوندی کے شرف و مجد کا تاج اس کے سر پر رکھا گیا تھا تو ضروری تھا کہ اپنے دوگانہ فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے اسکو اس ساز و سامان سے آراستہ کیا جائے جن کی مدد سے وہ اپنے ان فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرض اول یعنی اطاعت و امتثال احکام خداوندی کے سلسلہ میں انبیاء و رسل کی بعثت کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا۔ جو تکمیل دین کے بعد نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا اور غرض دوم یعنی اصلاح و تعمیر جہاں کے لئے اس نے ایک طرف اسے عقل عطا فرمائی اور اس میں حقائق اشیا کے ادراک و دریافت کی طاقت و استعداد ودیعت فرمائی۔ اور دوسری جانب کائنات ارضی و سماوی کو اس کے زیرنگیں کر دیا چنانچہ ارشاد ہوا۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃً وباطنۃً (لقمان)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے تمہارے لئے ان چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔

اس آیت میں کائنات ارضی و سماوی کا ایک جامع بیان ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی آیات بکثرت ہیں جن میں بعض خاص خاص اور اہم چیزوں کا ذکر ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا ہے۔

وسخر لکم الشمس والقمر دائبین وسخر لکم اللیل والنہار ہ وآتاکم من کل ما

اور اس نے تمہارے لئے سورج اور چاند کو جو ایک دستور پر چل رہے ہیں مسخر کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سألتموہ ۔ (ابراہیم)

اور تمہارے لئے دن اور رات کو مسخر کردیا
اور اس نے تم کو وہ سب کچھ دیا جس کا تم نے
اللہ سے سوال کیا تھا۔

علاوہ ازیں سورۂ النحل کا مطالعہ کیجئے اس میں چاند سورج ستارے، سمندر، نباتات اور حیوانات پانی اور کشتی وغیرہ کا ذکر الگ الگ ہے اور ان کا نام لے کر فرمایا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں انسان کے فائدہ اور اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی شے سے انتفاع اور استخدام اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس چیز کے خواص اس کی اصل ماہیت اور حقیقت کا علم نہ ہو۔ اور صرف علم کافی نہیں۔ بلکہ اس چیز کو اس کی دسترس میں ہونا چاہئے اور اس میں تصرف کرنے کی طاقت وقوت اور صلاحیت واستعداد بھی ہونی ضروری ہے اس کا نام ایجاد واختراع اور ترتیب وتنظیم ہے اس موقع پر یہ یاد دلانا غالباً بے محل نہ ہوگا کہ یہ اور اسی نوع کی دوسری آیات ہیں جن کی اسپرٹ سے سرشار ہوکر مسلمانوں نے اپنے دور عروج واقبال میں کائنات ارضی وسماوی سے متعلق علوم وفنون کے چمن کھلائے اور انکو اس درجہ ترقی دی کہ مستشرقین یورپ کے بقول مسلمانوں کے یہی علوم وفنون ...... موجودہ مغربی ثقافت (WESTERN CULTURE) کی بنیاد یا ان کا سنگ میل قرار پائے۔

اور جب انقلاب روزگار کا شکار ہوکر استاد بہت پیچھے رہ گیا اور شاگرد نے علوم وفنون میں قیادت کی زمام سنبھالی تو اقبال نے ترجمان حقیقت بن کر پوچھا:

آتی ہے دم صبح صدا عرش بریں سے — کھویا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند ترا نشتر تحقیق — ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک

یہ تو خیر ایک جملۂ معترضہ تھا جو بے ساختہ زبان قلم سے ٹپک پڑا۔ اور اس لئے کہ

دل میں اک درد اٹھا آنکھ میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہرحال اب جب کہ انسان کو خلافت الٰہی کے فرائض انجام دینے کی منزل میں قدم رکھنا تھا تو جس طرح بادشاہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرتا ہے تو راستہ کے تمام نشیب و فراز۔ اس کی دقتیں اور دشواریاں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے طریقے سب کچھ سمجھا دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ضروری تھا کہ انسان کو یہ بتا دیا جائے کہ اس کے راستے میں کیا کیا خطرے اور اندیشے ہیں۔ اس میں کون کون سی گھاٹیاں اور وادیاں ہیں۔ کیا کیا نشیب و فراز ہیں اور ان سب سے دامن بچاتے ہوئے اسے کس طرح سفر کرنا ہے۔ ساتھ ہی خود اس میں کیا کیا کمزوریاں اور گمراہ ہو جانے کی صلاحیتیں ہیں اور وہ اپنی اصل ساخت و پرداخت میں کیا ہے۔ یہ سب کچھ بھی اسے جتا دینا ..... ضروری تھا تاکہ وہ نہ گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا ہو اور نہ ..... احساس کمتری کا شکار رہے۔ چنانچہ قرآن نے رہنمائی کے اس پہلو کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ اس نے پہلے انسان کی ساخت کو بیان کیا اور بتایا:

(۱) خلق الانسان من صلصال کالفخار (رحمٰن) — ہم نے انسان کو کمہار کی مٹی سے بنایا۔

(۲) انا خلقنٰھم من طین لازب (الصّٰفّٰت) — ہم نے انسان کو چپکتی مٹی سے بنایا

(۳) ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمإ مسنون (حجر) — ہم نے انسان کو کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے بنایا۔

(۴) ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین (مومنون) — اور بے شبہ ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا۔

یہ سب کچھ اس لئے فرمایا گیا کہ گھمنڈ سب سے بری بلا ہے۔ شیطان بھی اسی سے مارا گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان بھی منزل حیات کے کسی مرحلہ میں اسی میں مبتلا ہو کر اپنا سب کچھ گیا کرایا غارت کر دے چنانچہ ارشاد ہوا: فلینظر الانسان مم خلق ٥ پس انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے — ایک اور آیت میں ارشاد ہوا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اولم یر الانسان انا خلقنٰہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین : کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا ہے[1]۔ یہ اور اسی طرح کی اور بھی آیات تو انسان کے مادۂ تخلیق اور اس کی خلقت کی اصلیت سے متعلق ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس کی نفسانی قوتوں کا کیا حال ہے ؟ اس سلسلہ میں ارشاد ہوا: فالھمھا فجورھا وتقوٰھا: نفس انسانی میں معصیت کوشی اور پرہیزگاری دونوں کی صلاحیت ودلیعت کردی ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز کی نسبت کہا گیا، وھدینٰہ النجدین۔ ہم نے انسان کو دونوں راستے دکھا دیئے ہیں۔ اب انسان کو یہ بھی بتانے کی ضرورت تھی کہ طبیعت بشری میں کیا کیا کمزوریاں ہیں جن سے ہوشیار اور باخبر رہنا ضروری ہے اس سلسلے میں ارشاد ہوا خلق الانسان ضعیفاً : انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس کی یہ کمزوری مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی جلد بازی کی صورت میں خلق الانسان من عجل کبھی تھڑدلی کی صورت میں ان الانسان خلق ھلوعاً۔ اذا مسّہ الشر جزوعاً و اذا مسہ الخیر منوعاً انسان بڑا تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے جب اس کو شر پہنچتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اس کو خیر پہنچتا ہے تو وہ ...... منع کرنے لگتا ہے۔ مال اور دولت کا بڑا رسیا ہے وانہ لحب الخیر لشدید اسے سینت سینت کے رکھتا اور اسے اپنی بقائے دوام کا

---

[1] اس موقع پر یہ یاد رکھنا بھی مفید ہوگا کہ علمائے حیاتیات کے نزدیک انسان کا مادۂ حیات جن عناصر سے مرکب ہے یعنی کاربن، ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن، سلفر، فاسفورس، کلورین پوٹیشیم، سوڈیم، کیلشیم، آئرن وغیرہ وہ سب اور ان کے علاوہ کچھ اور بھی اجزا مختلف کیمیاوی مرکبات کی شکل میں مٹی کے اندر موجود ہیں۔ اور جیسا کہ محمد احتشام علی صاحب نے اپنی قابل قدر کتاب "قرآن مجید اور تخلیق انسانی" میں لکھا ہے۔ چونکہ مادہ حیات (PROTOPLASM) کے کیمیادی اجزا کے علاوہ اور بہت سی کیمیادی اشیا بھی مٹی میں پائی جاتی ہیں اس بنا پر سلالۃ من طین، یعنی مٹی سے چنی ہوئی چیزیں، فرمایا گیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذریعہ جانتا ہے۔ الذی جمع مالاً و عددہ یحسب ان مالہٗ اخلدہ: دولت و ثروت کی بہتات پر اکڑ فوں دکھاتا اور خدا سے غافل ہو جاتا ہے الھکم التکاثر: لیکن ان خلقی اور طبعی کمزوریوں کے باعث انسان کو مایوس بددل اور غمگین نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی فطرت فطرۃ اللہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس جمیعاً: خدا نے اس کو بہترین سانچہ میں پیدا کیا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم اور خدا نے اس کو بڑا مکرم بنایا ہے: ولقد کرمنا بنی آدم اور پھر خدا اپنے بندوں کو دیکھنے والا اور ان پر رحم کرنے والا بھی ہے: واللہ رؤف بالعباد اور واللہ بصیرٌ بالعباد۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی فطرت میں خیر، صلاح اور تقویٰ ہے اور اس میں شر، بدی اور معصیت کو شی عوارض اور خارجی اسباب و عوامل سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں صاف ارشاد بھی ہے: کل مولودٍ یولد علی فطرۃِ الاسلام فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہٗ۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو ذہن میں محفوظ رکھ کر اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ خلافت آدم چونکہ ایک شخصی اور انفرادی خلافت نہیں ہے بلکہ نوعی ہے اور نوع کا خارج میں کوئی مستقل وجود نہیں ہوتا بلکہ افراد کے ضمن میں اس کا تحقق ہوتا ہے۔ اور افراد سب ایک سے نہیں ہوسکتے اس بنا پر جس طرح محض کسی شریف اور اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھنے کی اساس پر کوئی شخص شریف اور اعلیٰ مرتبت نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض بنی نوع انسان کا ایک فرد ہونے کے باعث کوئی فرد بشر خلافت کے اعزاز کا مستحق نہیں ہوسکتا اور اس کا استحقاق صرف ان لوگوں کو ہوگا جو خلافت الٰہی کے فرائض و واجبات اور اس کے شرائط و لوازم کو پورا کر رہے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں ان فرائض و واجبات خلافت کا نام ایمان اور عمل صالح ہے چنانچہ قرآن نے افراد بنی نوع انسان میں یہ تفریق اور تقسیم بار بار بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہے۔ مثلاً فرمایا گیا:

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ سورہ والتین میں ارشاد ہوا، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثم رددنٰہ اسفل سافلین ہ الا الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت فلھم اجرٌ غیر ممنون۔

سورہ معارج میں جہاں انسان کے تھڑدلے پن کا بیان ہے۔ وہاں اس کمزوری کے ذکر کے بعد استثنا کی شکل میں ایمان اور عمل صالح کے صفات اور اس کے اقسام کا ذکر شروع کردیا گیا ہے اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ خلافت الٰہی کے اعزاز اور شرف و مجد انسانی کی قبائے زریں صرف انہیں افراد بنی نوع انسان کے قد و قامت پر راست آسکتی ہے جو ایمان اور عمل صالح کے زیور سے آراستہ ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو نوع انسان کی اصل روایات کے حامل ہیں اور اسی لئے اس نوع کا دنیا اور بھرم انہی کے دم قدم سے قائم ہے۔ محفل ہستی کی رونق اور چمن زار عالم کی بہار یہی ہیں۔ بہرحال انسان دو ہیں ایک بمرتبۂ کلی اور دوسرا بمرتبۂ جزئی۔ پہلا انسان وہ ہے جس کی نسبت غالبؔ نے خدا سے شکوہ کیا ہے:

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

اور یہ دوسرا انسان وہ ہے جس کے متعلق غالبؔ نے ہی کہا ہے:

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اور یہی وہ دوسرے قسم کا انسان ہے جو اقبال کا مرد مومن ہے اور جس کو اس نے آوازدے کر کہا تھا۔

فریاد ز افرنگ و دل آویزی افرنگ فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز
از خواب گراں خواب گراں خواب گراں خیز

© rasailojaraid.com